⊙ ڈاکٹر ملا خان حیدری
پرنسپل، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، جھنگ

تحقیق اور تخلیق کی نئی تطبیق

Abstract:

Literary Research is dependent upon creative activity because the creation is preeminent while research and criticism have secondary status. But Ehsan Bajwa's Sach Pani is such a creation as rests upon Dr. Talib Bukhari's research thesis Waris Shah te Ohdi Heer de kirdara te tikanyan da tehqeeqi jaiza. This research paper discusses this new comparison of research and Creation.

Keywords:

Comparison Research Creation Creativity Ehsan Bajwa Sach Pani

ادبی تحقیق کا انحصار تخلیق پر ہوتا ہے۔ تخلیق اولیت رکھتی ہے اور تحقیق و تنقید کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ مگر احسان باجوہ کی تخلیق سچ بانی کا انحصار ڈاکٹر طالب بخاری کے مقالہ بعنوان وارث شاہ تے اوھدی ھیر دے کرداراں تے ٹکانیاں دا تحقیقی جائزہ (وارث شاہ اور اس کی ہیر کے کرداروں اور مقامات کا تحقیقی جائزہ) پر ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ انہوں نے ۱۹۹۱ء میں اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور کے شعبہ پنجابی میں جمع کروایا جس پر انہیں ۱۹۹۳ء میں پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری جاری کر دی گئی۔ اس تحقیقی مقالہ میں دو مخطوط کو بنیادی مآخذ قرار دیتے ہوئے ہیر اور رانجھا کی ایسی کہانی پیش کی گئی جسے 'اصلی جیون کتھا' کا نام دیا گیا اور اسی کہانی کو سامنے رکھتے ہوئے احسان باجوہ نے سچ بانی کے نام سے پنجابی زبان میں ایک نئی داستان منظوم کی جو سانجھ سویر قلعہ صوبہ سنگھ سیالکوٹ کی طرف سے ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی۔

تحقیق اور تخلیق کی اس نئی تطبیق نے تحقیق اور تخلیق کے نئے پراسرار رشتے کو جنم دیا ہے۔ طالب بخاری نے ہیر دی حقیقت (ہیر کی حقیقت) کے عنوان سے اپنی نئی تحقیق کا تعارفی کتابچہ شاخ ادب فیض پور خورد شیخوپورہ کی طرف سے ۱۹۷۹ء میں شائع کروایا تھا۔ احسان باجوہ نے سچ بانی مجید خاور میلسی کی فرمائش پر تخلیق اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ پنجاب کی تہذیب و تمدن کی صحیح نمائندہ ہیر وارث شاہ نہیں بلکہ سچ بانی ہے۔ ان کی نظر میں وارث شاہ نے پنجاب اور پنجابیوں کی توہین کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''کسے وی قصے دا کوئی پاتر بھانویں اوہ کسے وی ذات گوت دا ہووے نلجا، بلنگا جاں بے غیرت

تاں ہوسکدا اے پر اوس دے نلج پُنے پاروں اوس دی پوری ذات گوت نوں قصے وچ بے غیرت بنا کے پیش کرنا میری جاچے پنجابیاں اندروں پنجابی ہون دا مان مکان دین دا کارن بنایا اے۔"(۱)

کسی بھی قصے کا کوئی کردار خواہ وہ کسی بھی ذات کا ہو کمینہ اور بے غیرت تو ہوسکتا ہے مگر اس کے کمینہ پن کی وجہ سے پوری ذات یا قوم کو قصے بے غیرت بنا کر پیش کرنا میرے خیال میں پنجابیوں کے دل میں پنجابی ہونے کا مان اور افتخار ختم کرنے کا سبب بنا ہے۔

ہیر اور رانجھا پنجابی زبان وادب کی سب سے زیادہ معروف اور مقبول داستان ہے۔شہرت عام اور بقائے دوام پانے والی یہ داستان شعرا اور عام قارئین کے ساتھ ساتھ ناقدین اور محققین کی توجہات کا مرکز بنی رہی ہے۔ ہری داس ہریا، گنگ بھٹ، باقی کولابی، دمودر داس، سعید سعدی، میر محمد لائق جون پوری، احمد گجر، گوردا س گنی، گورداس کھتری، میاں چراغ اعوان، احمد یار خان یکتا، فقیر اللہ آفرین، منسا رام خوشابی، میر قمر الدین منت دہلوی، حافظ شاہ جہان مقبل، سندر داس اور وارث شاہ نے اسے منظوم کیا۔ وارث شاہ کے بعد بھی کئی شعرا نے اسے منظوم کیا۔ دنیا کی کئی زبانوں میں اس کے منظوم اور منثور تراجم ہوئے۔ پاک و ہند میں کئی فلمیں بنیں۔صوفی شعرا نے تصوف کے رموز کو ہیر، رانجھا، سیدا کھیڑا، جھنگ اور تخت ہزارہ کی علامات میں پیش کیا۔شاہ حسین، بلھے شاہ اور دیگر صوفی شعرا نے معرفت کے موضوعات کو اس داستان کے کرداروں اور مقامات کو استعاروں کی صورت میں پیش کیا۔

اس داستان کے کردار تذکروں اور تنقیدی و تحقیقی مقالوں کے عنوانات اور موضوع بحث رہے ہیں۔ کسی نے اس داستان کے کرداروں کو رومانی اور افسانوی قرار دیا تو کسی نے غیر افسانوی قرار دے کر ایسا الجھا دیا ہے کہ یہ گتھی بجائے سلجھنے کے اور الجھتی جا رہی ہے۔ طالب بخاری کی تحقیق اور سچ بانی کی تخلیق پر بحث سے قبل ہیر کے کردار کے بارے میں ناقدین کے نظریات اور تصورات کا احاطہ کرنا ضروری ہے۔

'ہیر' کے بارے میں پہلا تصور یہ ہے کہ ہیر ایک افسانوی اور رومانوی کردار ہے جسکا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ 'ہیر' ایک عارفہ کاملہ ہیں۔ شعرا کی بیان کی گئی منظوم داستانیں مبالغہ آرائی پر مبنی ہیں جنھوں نے حقیقت کو مسخ کیا ہے۔ 'ہیر' کے بارے میں تیسرا نظریہ طالب بخاری اور اس کے ہم خیال لوگوں کا نظریہ ہے کہ 'ہیر' کا کردار حقیقی اور تاریخی ہے۔ طالب بخاری نے اپنے اس نظریہ کے ثبوت میں بطور دلیل دو مخطوطے پیش کیے ہیں:

۱) تاریخ ھیر (مخطوطہ) مصنفہ مراد بلوچ، ۸۸۶ھ

۲) سوانح عمری وارث شاہ (مخطوطہ) مصنفہ سید قاسم شاہ، ۱۲۲۰ھ

ان دونوں مخطوطات کو سوائے محقق کے کسی نے نہیں دیکھا اور یہ تحقیق خود تحقیق طلب ہے۔

خادم ہوشیار پوری نے باپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

"ہیر رومانی کردار ہے اولیاء میں اس کا شمار نہیں ہوتا۔"(۲)

پروفیسر سمیع اللہ قریشی بھی اسی نظریے کی تائید کرتے ہیں ان کے خیال میں جھنگ میں ہیر کا مزار ہیرا دیوی کا

ہے جو یونانی دیو مالا سے تعلق رکھتی ہے۔

''یونانی دیو مالا نظام اندر ZEUS دیوتا دیاں تن رناں وچوں اک HERA دیوی وی اے۔ ہیر دا تصوراتی وجود یونانی دیو مالا وچوں پھُٹ کے بغداد دے الف لیلائی ماحول وچوں لنگھ کے جدوں پنجابی تائیں اپڑدا اے تے انج لگدا اے جیویں اک سوہنی فجرے اک جیوندی جاگدی پر بے حس روپ توں نکل کے اک واقعاتی پاتر دے روپ وچ ڈھل گئی اے۔''(۳)

یعنی یونانی دیو مالا نظام میں ZEUS دیوتا کی تین بیویوں میں سے ایک ہیرا دیوی بھی ہے۔ ہیر کا تصوراتی وجود یونانی دیو مالا میں سے پھوٹ کر بغداد کے الف لیلائی ماحول سے گزر کر جب پنجاب تک پہنچتا ہے تو ایسے لگتا ہے جیسے ایک خوبصورت سحر کے وقت جیتے جاگتے مگر بے حس روپ سے نکل کر ایک حقیقی کردار کے روپ میں ڈھل گیا ہے۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی بتاتے ہیں کہ جس جگہ پر ہیر کا مزار ہے اسی جگہ پر قلعہ برہمن گڑھ تھا جس کے قریب سے چناب بہتا تھا۔ یونانی اس دریا کو' آ کی سائینیز' لکھتے ہیں۔ اس دریا کے گزرگاہ کے نشانات آج بھی ہیر کے مزار کے مشرق میں موجود ہیں۔ سکندر اعظم کی فوج اسی دریا کے راستے برہمن گڑھ پر حملہ آور ہوئی تھی۔ محکمہ آثار قدیمہ کی ایک ٹیم نے اس ٹیلے کی کھدائی کروائی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''۱۸۷۳ء وچ محکمہ آثار قدیمہ دی ٹیم نے مزارِ ہیر والے ٹبے دے ہیٹھلے حصے دے اک پاسے پٹوایا ایتھوں سولہ انچ ضرب چودہ انچ دیاں پرانیاں اٹاں لبھیاں جنہاں دے سائنسی تجربے توں اگھڑیا پئی ایہ سکندر یونانی تے چندر گپت دے زمانے دے نیڑے تریڑے دیاں سن۔ ایتھے کوئی گڑھی سی جیہڑی یونانی حملیاں وچ ڈھہہ کے مٹی دا ڈھیر بن گئی۔ قیاس اے جے یونانی سپاہیاں نے ایتھے اک یونانی سیٹلائیٹ ٹاؤن یاں نواں کوٹ وسایا جتھے یونانی دیو مالا دی مشہور دیوی HERA یا HERE دا مندر اساریا۔''(۴)

یعنی ۱۸۷۳ء میں آثار قدیمہ کی ٹیم نے ہیر کے مزار والے ٹیلے کے نچلے حصے کی کھدوائی کی یہاں سے پرانی اینٹیں ملیں جن کے سائنسی تجربات کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ یہ سکندر یونانی اور چندر گپت کے زمانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں کوئی قلعہ تھا جو یونانی حملوں میں مٹی کا ڈھیر بن گیا۔ یونانی سپاہیوں نے یہاں ایک سیٹلائیٹ ٹاؤن بنایا اور یہاں یونانی دیو مالا کی مشہور دیوی HERA کا مندر بھی تعمیر کیا۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی کا خیال کہ یونانی دیوی کا وہی مندر بعد میں ہیر کے نام سے مشہور ہو گیا۔ جھنگ میں ہیر اور رانجھے کا معروف مزار فرضی اور جعلی ہے۔ برصغیر میں جعلی بنانے کا رجحان رہا ہے۔

محمد حسین نجفی اپنی کتاب **اصلاح الرسوم الظاہرہ بکلام التعرۃ الطاہرہ** میں لکھتے ہیں:

''کچھ عرصے سے ہماری قوم میں بھی جعلی قبریں بنانے اور پھر ان کے ساتھ اصلی قبور والا معاملہ کرنے کی بدعت کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔''(۵)

احمد رضا خان بریلوی نے بھی **فتاویٰ رضویہ** میں لکھا ہے:

''فرضی مزار بنانا اوراس کے ساتھ اصل کا سا معاملہ کرنا ناجائز اور بدعت ہے۔''(۶)

ڈاکٹر جاوید اقبال خالد نے اپنے پی۔ایچ۔ڈی کے مقالہ حافظ برخوردار رانجھا: حیاتی ، فن تے فکر میں حافظ برخوردار کی ایک جعلی اور فرضی قبر کا ذکر کیا ہے۔ یہ جعلی قبر ایک تحصیلدار نے اپنی زمین آباد کروانے اور'سائیں اللہ دتہ' نامی ایک ریاکار شخص نے اپنی پیری مریدی چمکانے کے لیے بنائی تھی۔سائیں اللہ دتہ مہر دین چٹھہ کے مرید اور خلافت کے امیدوار تھے۔جب ان کے مرشد نے انہیں خلیفہ نہ بنایا تو ان سے ناراض ہوکر ایک فرضی قبر بنا کر اس کے گدی نشین اور خلیفہ بن بیٹھے۔جب ان کے مرشد کو خبر ہوئی تو انہوں نے بلا کر کہا۔

''تہانوں ایس کم وچ ٹکر پانی تاں ملدا رہنا اے پر نیک بندیاں دی صف وچ نہیں کھلو سکو گے۔''(۷)

یعنی تمہیں اس کام میں روٹی پانی تو ملتا رہے گا مگر نیک بندوں کی صف میں محشور نہیں ہوسکو گے۔ڈاکٹر جاوید اقبال خالد اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

''ایہناں نے حافظ برخوردار دے میلے دا اہتمام وی کیتا ۔اشتہار کڈھائے سائیں اللہ دتہ پیری چکاون دے چکر وچ سی تے تحصلیدار زمین آباد کرنے دے۔''(۸)

ہیر رانجھا پنجابی زبان وادب کی سب سے زیادہ مشہور داستان ہے۔اس کی شہرت کی وجہ سے جعلی قبریں بنتی رہی ہیں۔رومانی داستانوں کے کرداروں کی جعلی قبریں بنانے اور عاشق ومعشوق کو ایک ہی قبر میں سلانے کی روایت موجود ہے۔خاطر غزنوی پشتو ادب میں عشق کی معروف داستان آدم و در خانی کے کرداروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''خدا جانے اس میں کہاں تک حقیقت ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ تین بار آدم خان اور درخانی کی قبریں کھود کر دیکھا گیا ہر بار انہیں یکجا پایا گیا۔آدم خان اور درخانی کے مزار کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ایک روایت یہ ہے کہ یہ مزار سوات میں باز درہ کے مقام پر ہے۔لیکن اکوڑہ کے پاس موضع ترلاندی میں دریائے لنڈا کے کنارے پر ایک مزار کے متعلق لوگوں کا یقین ہے کہ یہ انہیں دونوں کی آرام گاہ ہے۔''(۹)

سندھی ادب میں بھی 'سسی پنوں کی داستان عشق' کے بارے میں ایسی ہی روایات ملتی ہیں۔الیاس مجیبی 'سسی اور پنوں' کو ایک ہی قبر میں دفن ہونے کی روایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''گڈریے نے جورو کے سسی کی اوراپنی داستان سنائی تو پنوں سمجھ گیا بیشک میری پیاری کے سوا اور کوئی نہیں۔ بھائیوں اور قافلے والوں سے اجازت لے پنوں مقبرے میں گھس،قبر سے چمٹ دعا مانگنے لگا''یااللہ!'' مجھے میری پیاری سے ملادے۔اسی دم چٹان پھر سے پھٹی اور پہلے کی طرح پنوں کو بھی سمیٹ پھر بند ہوگئی۔''(۱۰)

ہیر اور رانجھے کے بارے میں ایسی ہی روایات ملتی ہیں۔ پروفیسر شارب انصاری 'خلاصۃ التواریخ' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مینوں لائبریریاں پھرولدیاں لالہ سجان رائے بٹالوی دی کتاب'' خلاصۃ التواریخ (۱۱۰۷ھ، ۱۶۹۵ء، ۱۷۵۳ بکرمی) ویکھن دا اتفاق ہویا تے میں حیران ہویا جو لالہ جی نے ایہناں لفظاں وچ مزار یا مڑھی دی تصدیق کیتی ہوئی سی۔ جتھاں دریاوزیرآبادتوں شاہراہ نوں کٹ کے جا کونہ، بوڑیانہ بھوتہ مرل تے ہزارہ توں گزرداا ے۔ ہزارہ توں چار کوہ تے ہیر رانجھے دیاں قبراں نیں جتھاں دے عشق دی داستان مشہورا ے۔''(۱۱)

یعنی مجھے لالہ سجان رائے کی کتاب خلاصۃ التواریخ پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہزارہ سے چار کوس کے فاصلے پر ہیر اور رانجھے کی قبریں ہیں۔ اگر خلاصۃ التواریخ کے مصنف کی رائے کو درست تسلیم کر لیا جائے تو جھنگ میں ہیر اور رانجھے کے مزار کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔

تذکرہ نگار اور بعض ناقدین ہیر کو عارفہ کاملہ سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں ہیر کے کردار کو شعرا نے مسخ کیا ہے۔ شعرا کی منظوم داستانوں کو بلال زبیری 'فریبِ مسلسل' کا نام دیتے ہیں۔ بلال زبیری تذکرہ اولیائے جھنگ میں پروفیسر اختر علی ندوی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مائی ہیر صاحبہ کا موجودہ مزار حقیقی ہے البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی وجہ سے مزار کسی عہد میں شکستہ ہو گیا ہو تو کسی عقیدت مند نے از سرِ نو تعمیر کروایا ہو۔ جس سے اس کی پہلی ہیئت میں تبدیلی آ گئی ہو لیکن مزار کو فرضی کہنا یا مائی صاحبہ سے رانجھے کا عشق ظاہر کرنا، مائی صاحبہ کی شادی، رانجھا کا جوگ اور بالناتھ کی امداد قطعاً غلط بے بنیادی باتیں ہیں اور شعرا کرام کی ذہنی اختراع کا نتیجہ ہیں اسی طرح تخت ہزارہ میں میاں رانجھا کا مزار بھی فرضی ہے۔''(۱۲)

بلال زبیری اور ان کے ہم خیال دوسرے تذکرہ نگار سلطان بہلول لودھی اور مخدوم شاہ کبیر کو مائی معتقد ظاہر کرتے ہیں۔ بلال زبیری کے اس تذکرہ نے کئی شکوک وشبہات پیدا کیے ہیں۔ ان کے خیال میں جھنگ شہر شیر شاہ سرخ بخاری نے ۶۶۵ھ میں بسایا تھا۔ پروفیسر شارب انصاری نے ان کے اس خیال کی ان الفاظ میں تردید کی ہے:

''بلال زبیری کہندے نیں جو جھنگ شہر شیر شاہ سرخ بخاری نے ۶۶۵ھ بمطابق ۱۲۲۰ء وسایا حالانکہ اوہ خود ۱۲۴۴ء وچ ہندوستان آئے۔''(۱۳)

یعنی بلال زبیری کہتے ہیں کہ جھنگ شہر شیر شاہ سرخ بخاری نے ۶۶۵ھ بمطابق ۱۲۲۰ء بسایا حالانکہ وہ خود ۱۲۴۴ء میں ہندوستان تشریف لائے۔

بلال زبیری یہ بھی لکھتے ہیں کہ چوچک شاہ کبیر کا معتقد تھا اور مخدوم شاہ کبیر ہیر کے معتقد اور ارادت مند تھے اور ہیر کے کمرے میں چلہ کش رہے۔ بلال زبیری کی مضحکہ خیز باتیں پڑھ کر تذکرہ نگار کی اپنی کم علمی اور جاہلیت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ پروفیسر شارب انصاری مزید لکھتے ہیں:

''کجھ ایسے طرحاں دی عبارت ہیر دے مقبرے والی سنگ مرمر دی سِلھ تے لکھی اے جس وچ ہیر نوں سید احمد کبیر ولد سید جلال الدین سرخ بخاری دا خلیفہ دسیا گیا اے۔ ایہہ عبارت وی تاریخی

طور تے غلط ای لگدی اے اس کر کے جو سید احمد کبیر تے ہیر دا سماں ملدے ای نہیں۔''(۱۴)

یعنی کچھ اس طرح کی عبارت ہیر کے مقبرے والی سنگ مرمر کی لوح پر لکھی ہے کہ جس میں ہیر کو سید احمد کبیر والد سید جلال الدین سرخ بخاری کا خلیفہ بتایا گیا ہے۔ یہ عبارت تاریخی طور پر بھی غلط لگتی ہے اس لیے کہ سید احمد کبیر اور ہیر کے زمانے میں فرق ہے۔

بلال زبیری رانجھا کو بھی ہیر کا مرید اور خلیفہ قرار دیتے ہیں۔ ان روایات کو پڑھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اندھی عقیدت نے تذکرہ نگاروں کی عقل اور بصیرت پر بھی پردے ڈال دیئے ہیں۔ تذکرہ نویس کو تو چھوڑ یئے جب کوئی محقق تحقیق کے نام پر بھی غیر منطقی راوایات کو بیان کرے تو وہ تحقیق کتنی معتبر ٹھہر سکتی ہے۔

ہیر کے کردار کے بارے میں طالب بخاری نے مقالے وارث شاہ تے اوھدی ھیر دے کرداراں تے ٹکانیاں دا تحقیقی جائزہ میں جتنی بحث کی ہے اس نے بھی شکوک وشبہات کو جنم دیا ہے۔ تحقیق روایات کو من وعن بیان کرنے کا نام نہیں۔ یہ روایات کی تصدیق یا تردید وتکذیب کا باضابطہ عمل بھی ہے۔ تحقیق کیا ہے؟

''احقاق الحق و اراء ۃ الحقائق کما ھی.''(۱۵)

یعنی حق کو ثابت کرنا اور حقائق کو اس طرح منظر عام پر لانا جیسے وہ ہیں۔

ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

''تحقیق حقیقت پنہاں یا حقیقت مبہم کو افشا کرنے کا باضابطہ عمل ہے۔''(۱۶)

ادبی تحقیق کا کام ادب میں پائے جانے والے غلط تصورات ونظریات کی تردید ہے۔ ادبی تحقیق ادب کے مسائل حل کرتی ہے۔ ڈاکٹر افتخار احمد خان لکھتے ہیں:

''ادبی قضایا اور مسائل کا حل تحقیق ہی میں مضمر اور پوشیدہ ہے۔''(۱۷)

اگر طالب بخاری اپنی تحقیق تحقیق کے اصول وضوابط کے مطابق انجام دیتے تو یقیناً ہیر اور رانجھا کے بارے میں پائے جانے والے شکوک وشبہات دور ہو جاتے۔ اور حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی۔ مگر ایسا اس لیے ممکن نہیں ہو سکا کیونکہ وہ خود حقیقت کا اظہار یا اثبات نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے جو قدم اٹھایا وہ خلوص اور دیانتداری سے نہیں اٹھایا یا یہ کہ وہ تحقیق کے اصول وضوابط سے ناآشنا تھے۔ انہوں نے اپنی تحقیق کی بنیاد دو مخطوطات پر رکھی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''ساڈی تحقیق دی بنیاد دو قلمی نسخیاں اتے رکھی گئی اے جنہاں دے ناں 'سوانح عمری وارث شاہ' (۱۲۲۰ھ، مصنفہ سید قاسم شاہ) تے 'تاریخ ہیر' (فارسی نثر مخطوطہ، مصنفہ مراد عباس المعروف مراد بلوچ (سہتی دا عاشق)۔ ۸۸۶ھ سکنہ ڈیرہ ہیبت خان ضلع مظفر گڑھ نیں مراد بلوچ نے ''تاریخ ہیر'' ہیر دی وصیت دے مطابق لکھی بتے سوانح عمری وارث شاہ دی قاسم شاہ (وارث شاہ دا بھرا) نے وارث شاہ دی وصیت دے مطابق لکھی۔ اساں ایہہ دونویں مخطوطے ۱۹۴۵ء وچ ملک غلام حسین کھوکھر رئیس سکنہ جنڈیالہ شیر خان ضلع شیخوپورہ دی لائبریری وچ اکھیں ڈٹھے۔ آپ ۱۹۵۶ء نوں شہید ہو گئے تے اج کل ایس کتاب خانے دے مالک اوہناں دے صاحبزادے لکھ

علی حسین کھوکھر نیں۔''(۱۸)

یعنی ہماری تحقیق کی بنیاد دو قلمی نسخوں پر رکھی گئی ہے جن کے نام سوانح عمری وارث شاہ مصنفہ قاسم شاہ اور تاریخ ہیر مصنفہ مراد بلوچ ۸۸۶ھ سکنہ ڈیرہ ہیبت خان ضلع مظفر گڑھ ہیں۔ ہم نے یہ مخطوطے ۱۹۴۵ء میں ملک غلام حسین کھوکھر سکنہ جنڈیالہ شیر خان ضلع شیخوپورہ کی لائبریری میں دیکھے۔ وہ ۱۹۵۶ء میں شہید ہو گئے تھے۔ آجکل اس کتب خانے کے مالک ملک علی حسین کھوکھر ہیں۔

تحقیق کا اصول یہ ہے کہ مخطوطہ کی صحت اور قدامت کا تعین کیا جائے۔ مخطوطات کی صحت اور قدامت کے تعین کے لیے سائنس اور تاریخ سے مدد لی جائے۔ طالب بخاری کے فرائض میں یہ بات شامل تھی کہ وہ ان مخطوطات سے استفادہ سے قبل لائبریری سائینس کے اصولوں کی روشنی میں مخطوطات کا سائنسی مشاہدہ کرواتے تا کہ ان کی تحقیق پر سوال نہ اٹھ سکے۔ اور ان کو اپنی تحویل میں بھی لیتے۔ ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں:

''لائبریری سائنس سے واقفیت کے بغیر تحقیق کی ابتدا ہی نہیں ہو سکتی۔ کیٹلاگنگ، ببلیو گرافی، انڈکسنگ وغیرہ راہ تحقیق کے سنگِ میل ہیں چونکہ تحقیق میں قدامت کا بڑا دخل ہے اس لیے کاغذ اور سیاہی کا علم بھی ضروری ہے۔ مخطوطات سے استفادہ اور ان کی حفاظت بھی تحقیق کے زمرے میں آتی ہے۔ مشرقی علوم کی تحقیقات میں خطاطی سے واقفیت بہت ضروری ہے۔ اس کی تحقیق سے محقق کا واقف ہونا ضروری ہے۔''(۱۹)

اگر تحقیق کی بنیاد کسی مخطوطہ پر ہو تو اس مخطوطہ کے ایک سے زیادہ قلمی نسخے ہونا بھی ضروری ہیں۔ ڈاکٹر افتخار احمد خان لکھتے ہیں:

''مخطوطہ جس کا محقق انتخاب کرتا ہے اس کے ایک سے زائد قلمی نسخوں کا ہونا بہت ضروری اور مستحسن ہے۔''(۲۰)

جس مخطوطہ کا صرف ایک ہی قلمی نسخہ موجود ہو اس کی اہمیت کس قدر بڑھ جاتی ہے۔ طالب بخاری کو اس کی اہمیت کا احساس نہیں تھا۔ چنانچہ یونیورسٹی کی طرف سے اس ڈگری کے جاری ہوتے ہی ناقدین ان مخطوطات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے علی حسین کھوکھر کے گھر پہنچے۔ مگر اس نے حلفاً بیان کیا کہ اس کے پاس ایسا کوئی مخطوطہ نہیں ہے۔ پروفیسر خالد ہمایوں اپنے مضمون 'ہیر وارث شاہ دے دو پڑچولی' میں لکھتے ہیں:

''مقصود ناصر چوہدری مرحوم علی حسین دے داماد نوں نال لے کے علی حسین نوں ملے۔ علی حسین نے آکھیا میرے سر تے تسیں قرآن مجید رکھ دیو ساڈے کول اجیہا کوئی مخطوطہ نہیں۔ مقصود ناصر چوہدری نے آکھیا مقالے وچ دسیا گیا اے کہ ایہہ نسخے تہاڈے کول موجود نیں۔ علی حسین نے جواب دتا: طالب بخاری نے آپ ای سب کجھ کیتا اے سانوں کوئی خبر نہیں۔''(۲۱)

یعنی مقصود ناصر چوہدری مرحوم علی حسین کے داماد کو ساتھ لے کر علی حسین سے ملے۔ علی حسین نے کہا: میں قرآن مجید پر حلف دینے کے لیے تیار ہوں ہمارے پاس ایسا کوئی مخطوطہ نہیں ہے۔ مقصود ناصر چوہدری نے کہا کہ مقالے

میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نسخے آپ کے موجود ہیں تو علی حسین نے کہا: طالب بخاری نے خود ہی یہ سب کچھ کیا ہے ہمیں اس کی کوئی خبر نہیں۔

پروفیسر خالد ہمایوں لکھتے ہیں:

''دراصل طالب بخاری ہوراں اک خود ساختہ کہانی گھڑ کے اوہدے مطابق ایس جعلی 'تاریخ ہیر'
دے پرانے لکھت ڈھنگ مطابق کجھ ورقے آہوں لکھ کے اوہناں دی فوٹوسٹیٹ کروالئی تے فیر
اوہناں اصل مخطوطہ جناب علی حسین کھوکھر ہوراں کول ہون دی دس پا کے اپنا کم چلایا۔'' **(۲۲)**

دراصل طالب بخاری اک خود ساختہ کہانی تخلیق کی اور پھر اس کے مطابق اس جعلی تاریخ ہیر کے پرانے اندازِ تحریر کے مطابق کچھ صفحات خود لکھ کر فوٹوسٹیٹ کروائی اور اصل مخطوطہ علی حسین کھوکھر کے ذمہ لگا کر اپنا کام چلایا۔

جس تاریخ ہیر کی اپنی حقیقت اور حیثیت مشکوک ہو اس بنیاد پر سچ بانی کی تخلیق کتنی اصلی اور معتبر ہو سکتی ہے۔ اس پر محققین اور ناقدین اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہیں گے۔ احسان باجوہ ہیر رانجھا کی کہانی سچ بانی لکھنے کا سبب بیان کرتے ہیں:

''وچ میلسی یار مجید ہے جو خاور لکھدا نال
تس اصلی قصہ ہیر دا دتا ہے آن وکھال
تس عینوں عین بیانیا بہ سنیا نال خیال
آکھ احسانا سچیاں جیون دا سچ سمھال'' **(۲۳)**

احسان باجوہ بتاتے ہیں کہ انہیں 'ہیر دی حقیقت' اصلی جیون کتھا مجید خاور میلسی نے سنائی تھی۔ وہ مراد بلوچ کی تاریخ ہیر کے اس مخطوطے کا بھی ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔

''اک لکھی مراد بلوچ نے وچ فارسی بولی ہیر
سی طالب لیکھ اساریا مڑ رمز دلیلاں چیر
وچ نگری نگری گھمیا تس کیتی کرت امیر
آکھ احسانا سچیاں ہے جت دا سچ اخیر'' **(۲۴)**

سچ یقیناً فتح یاب ہوتا ہے۔ مگر جھوٹ اور جھوٹے ناکام و نامراد ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے:

''**کفیٰ بالمرعہ کذبا ان یحدث لکل ما سمع.**''**(۲۵)**

یعنی انسان کے جھوٹا ثابت ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے بیان کرتا پھرے۔

احسان باجوہ نے سنی سنائی بات پر ایسی کہانی تخلیق کی جو حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ طالب بخاری کا مقالہ تحقیق طلب ہے۔ جب تک وہ مخطوطات دریافت نہیں ہوتے اور ان کی صحت اور قدامت کی تصدیق نہیں ہوتی تب تک اس مقالے اور اس میں بیان کی گئی کہانی کو بیان کرنا بھی نامناسب اور اصولِ تحقیق کی خلاف ورزی ہے۔ تحقیق اور تخلیق کی یہ نئی تطبیق مشکوک ہے۔

حوالہ جات

۱۔ احسان باجوہ، سچ بانی (سیالکوٹ: سانجھ سویر قلعہ صوبہ سنگھ تحصیل پسرور، ۲۰۱۳ء) ص:۱۶

۲۔ خادم ہوشیار پوری، ہیر رومانی کردار ہے اولیاء میں اس کا شمار نہیں ہوتا، روزنامہ امروز (لاہور، ۴ اگست ۱۹۷۴ء)

۳۔ سمیع اللہ قریشی، یونانی دیومالا، الف لیلا تے ہیر وارث شاہ دے ادبی رشتے، ورہےوار ساھت (لاہور، ۱۹۹۸ء) جلد نمبر ۴، شمارہ نمبر ۴، ص ۴۳۵

۴۔ ایضاً، ص ۴۳۲

۵۔ محمد حسین نجفی، اصلاح الرسوم الظاھرہ بکلام العترۃ الطاھرہ (خانیوال: کبیر والا آرٹ پرنٹرز، س۔ن) ص ۱۵۸

۶۔ ایضاً، ص ۱۵۸

۷۔ جاوید اقبال خالد، حافظ برخوردار رانجھا: حیاتی، فن تے فکر، مقالہ پی۔ایچ۔ڈی (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، ۱۹۹۵ء)، ص ۱۳۴

۸۔ ایضاً، ص ۱۳۴

۹۔ خاطر غزنوی، 'آدم درخانی'، ماہ نو، چالیس سالہ مخزن (لاہور: ادارہ مطبوعات پاکستان، ۱۹۸۷ء)، جلد ۱، ص ۵۹۷

۱۰۔ الیاس م جیبی، سسی پنوں، ماہ نو، چالیس سالہ مخزن، ص ۶۰۲

۱۱۔ شارب انصاری، وارث شاہ دے مکھ پاتراں دا تاریخی پچھوکڑ، مہینہ وار کانگاں، سید وارث شاہ نمبر (گجرات: جلد ۲۲، شمارہ ۴، ۵، ۶، اپریل۔مئی۔جون ۲۰۱۱ء) ص ۱۶۴

۱۲۔ بلال زبیری، تذکرہ اولیائے جھنگ (جھنگ: ادبی اکیڈمی جھنگ، جنوری ۲۰۰۰ء)، ص ۳۸۵

۱۳۔ وارث شاہ دے مکھ پاتراں دا تاریخی پچھوکڑ، ص ۱۵۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۵۸

۱۵۔ افتخار احمد خان، اصولِ تحقیق (فیصل آباد: شمع بکس، ۲۰۱۵ء)، ص ۲۳

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۴

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۰

۱۸۔ طالب بخاری، وارث شاہ تے اوھدی ھیر دے کرداراں تے ٹکانیاں دا تحقیقی جائزہ (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۳ء)، مقالہ پی۔ایچ۔ڈی، ص 'ب'

۱۹۔ نذیر احمد، تاریخی تحقیق کے بعض بنیادی مسائل، مشمولہ: تحقیق شناسی (لاہور: القمر انٹرپرائزز، لاہور،

۲۰۱۳ء)، مرتبہ: رفاقت علی شاہد، ص۷۰۔۷۱

۲۰۔ اصولِ تحقیق، ص۱۱۸

۲۱۔ ہیر وارث شاہ دے دو پڑچولی، ص۵۱۷۔۵۱۸

۲۲۔ ایضاً، ص۵۲۸

۲۳۔ سچ بانی، ص۴۲

۲۴۔ ایضاً، ص۴۲

۲۵۔ اصولِ تحقیق، ص۳۸